احساسِ ندامت

پچھتاوا! ہم سب کو اندرونی طور پر اکثر کسی نہ کسی غلطی کا احساس رہتا ہے۔ باپ ہوتے ہوئے یہ احساس کہ میں اپنی اولاد کو کچھ خاص مہیا نہ کر سکا یا یہ کہ گھر پر زیادہ وقت نہ گزار سکنے کا احساس، ماں ہوتے ہوئے یہ احساس کہ بچوں پر ہر وقت چیخنا چلانا یا ناراض رہنا، اکثر اوقات اپنے بچوں پر غصہ کرنا، شریکِ حیات ہونے کے ناطے اس غلطی کا احساس کہ ایک دوسرے کے لئے اتنا مناسب وقت نہ نکال سکنا جتنا کہ ہمیں ایک دوسرے کو دینا چاہئے، بیٹا اور بیٹی ہوتے ہوئے اس غلطی کا احساس کہ اپنے ماں باپ کو اکثر فون نہ کرنا یا ان سے ملنے نہ جانا، یا پھر دادا دادی اور نانا نانی ہوتے ہوئے اس غلطی کا احساس کہ اپنے پوتوں پوتیوں اور نواسے نواسیوں کے ساتھ شفقت نہ کر سکنا، اور اسی طرح کے کئی مزید دیگر احساساتِ ندامت کی ایک فہرست جو کہ بڑھتی ہی رہتی ہے۔

غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ احساسِ ندامت اس بات کا ہی ایک جزو ہے کہ ہم انسان ہونے کے ناطے اصل میں کیا ہیں، یہ ہمیشہ ہمارے ضمیر سے کھیلتا رہتا ہے۔ اگر ہم کچھ بھی غلط کریں تو یہ احساس ہمیں ہر اس غلط بات پر جھنجوڑتا رہتا ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے، ہمارا ردِ عمل کیسا ہونا چاہئے، ہمیں کیا کرنا چاہئے تھا۔ احساسِ جُرم، احساسِ ندامت، پچھتاوا! اگر ہم اس احساس کو ایسے ہی رہنے دیں تو یہ ہمیں اندر سے مار ڈالتا ہے۔ یہ ہمارے اندر کی آواز بن جاتا ہے جو ہمیں بتاتی ہے کہ ہم اچھے انسان نہیں ہیں، یہ احساس ہمیں یہ بتاتا ہے کہ "اگر تم صرف یہ کر لیتے"، "اگر صرف ایسا ہو جاتا"، "اگر تم صرف اتنے سُست نہ ہوتے"، "اگر صرف یہ"، "اگر صرف وہ" اور "اگر صرف ایسا" وغیرہ وغیرہ! اور جلد ہی وہ اندر کی آواز جو ہمیں یہ یقین دلا رہی تھی کہ ہم ایک بُرے انسان ہیں، اب وہ آواز ہمیں قائل کر لیتی ہے کہ ہم واقعی بُرے ہیں اور پھر ہم اسی طرح عمل کرنے لگتے ہیں اور یہ سب ہمارے اعمال سے جھلکنے لگتا ہے۔ پھر ہم بُرے لوگوں کی طرح عمل کرنے لگتے ہیں۔ اور پھر ہم جانتے بوجھتے ہوئے گناہوں کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں، پھر مزید احساسِ جُرم ہوتا ہے، اور پھر مزید گناہ... اور یکایک یہ سب یوں ہمارے مزاج میں گھر کر لیتا ہے جو ہم کبھی چاہتے بھی نہ تھے۔

واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« وإن أصابك شيء فلا تقل: لو أني فعلت كان كذا وكذا، ولكن قل: قدر الله، وما شاء فعل؛ فإن لو تفتح عمل الشيطان »

”... اگر تم پر کوئی مصیبت آن پڑے تو ایسے نہ کہو: "اگر میں یوں کرتا یا ویسے عمل کر لیتا تو اس کا نتیجہ ایسا اور ایسا نکلتا، بلکہ صرف یہ کہو، اللہ کو یہی منظور تھا اور ایسے ہی ہُوا جیسا اللہ نے چاہا۔ یہ لفظ 'اگر' شیطانی وسوسوں کی راہ کھول دیتا ہے“ (مسلم)۔

ہاں یہ شیطان کے وسوسے ہو سکتے ہیں تا کہ وہ ہمارے جذبے کو ختم کر ڈالیں اور ہم اپنے آپ کو لاچار و بے بَس سمجھنے لگیں اور کوشش کرنا ہی ترک کر دیں۔ لیکن کیا ہو گا اگر ہم اسی احساسِ جُرم کو ایک مختلف انداز سے دیکھیں، اگر ہم ایک مختلف پہلو سے اس کا جائزہ لیں، اور اسے اس طرح سے دیکھیں جو کہ اس کی اصل حقیقت ہے ؟ غور کریں ! تو احساسِ جُرم ہمیشہ بُرا نہیں ہوتا، یہ تو اکثر ہمارا زاویہٗ نگاہ ہوتا ہے جو صحیح کو بھی غلط اور حلال کو بھی حرام سمجھ لیتا ہے۔ ذرا غور کریں ! کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کا کیا خیال ہے کہ ہم کچھ کر بھی پاتے ؟ ہمیں کیسے معلوم ہوتا کہ ہم کچھ غلط کر رہے ہیں ؟ غور کریں تو ہم اپنے ہر عمل کے بارے میں احساسِ غلطی محسوس کرتے ہوئے اور مسلسل اپنے اعمال پر خود سوالات اُٹھاتے ہوئے، اپنے بارے میں بہت حد تک سخت گیر ہو سکتے ہیں، لیکن ہمیں اس شاندار و زبردست آیتِ مبارکہ کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے :

﴿وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴾

”اور پشیمان ہونے والے نفس کی قسم ہے“(القیامۃ:2)

یہ آیتِ مبارکہ کس طرح سے ہمارا نکتہٗ نظر بدل سکتی ہے ؟ اللہ تعالیٰ **نَفْسِ اللَّوَّامَةِ** کی قسم کھاتے ہیں، یعنی جو پشیمان ہونے والا نفس ہے۔ اللہ جل جلالہ خود اس نفس کی قَسم کھاتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی چیز کی یونہی قسم نہیں کھاتے۔ ذرا غور کریں تو اس وصف کا ہونا ایک اچھی بات ہے ! یہ ایک ایسا وصف ہے جو ہمیں اس راہ سے دُور کھینچ کے رکھتا ہے جس سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور اُس راستے پر لے جاتا ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے، یہ صفت ہمیں جگائے رکھتی ہے اور ہمیں ایک الگ راہ پر رکھتی ہے۔ اور جب ہم غلطی کو صحیح نظر سے نہیں دیکھتے تو اب یہ صفت

،نَّفْسِ اللَّوَّامَةَ نہیں رہتی، اب یہ پشیمان ہونے والا نفس، نفس الامّارة میں بدل جاتا ہے جو کہ ہر وقت بُرائی سے جڑنے والا نفس ہے۔ جب ہم غلطی کو غلطی سمجھنا چھوڑ دیں تو یہی نفس ایک بَلا یعنی ایک آزمائش بن جاتا ہے۔ اور کیونکہ ہم اپنے آپ کے لئے خود یہ طے کر لیتے ہیں کہ ہم ''بے بس و مجبور'' یا ''درستی کے قابل نہیں ہیں'' اور ہمارے لئے کوئی نجات نہیں ہے تو پھر ہم گناہ کئے چلے جاتے ہیں، استغفر اللہ ! لیکن ہمارے پیارے پیغمبر محمد ﷺ نے ہمیں بالکل الگ انداز سے یہ سکھایا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

« وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوا لَذَهَبَ اللَّهُ بِكُمْ وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُونَ فَيَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ »

''اُس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم خطا نہ کرتے تو اللہ تمہارا وجود ہی ختم کر دیتا اور تمہاری جگہ اُن لوگوں کو بدل دیتا جو اگر گناہ کر لیتے تو اللہ سے استغفار کرتے اور اللہ اُن کو معاف کر دیتا''۔

ایک اور زبردست حدیثِ مبارکہ جو ہمیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے محبوب بندے اور سچے مومن بننے کی اُمید دلاتی ہے، ایسے کہ ہمارے گزشتہ تمام اعمال مٹ سکتے ہیں اور ہم ایک بالکل کورے اور صاف نئے نامۂ اعمال کے ساتھ آسانی سے نئے سرے سے آغاز کر سکتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«...فَخِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الإِسْلاَمِ إِذَا فَقِهُوا »

'' ... وہ جو زمانۂ جاہلیت میں بہترین تھے، اسلام میں بھی بہترین ہوں گے اگر وہ (اسلام کی تعلیمات) سمجھ جائیں''

(بخاری)

یہ حدیث ہمیں یہ ثابت کرتی ہے کہ ہمیں کبھی بھی نا اُمید نہیں ہونا چاہئے، غلطی دوبارہ نہ کریں اور بہتری کی جانب آگے بڑھیں۔ اور یہ کہ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ ہم ماضی میں کیا اعمال کر چکے ہیں، اگر ہم سچے دِل سے اپنی غلطیوں پر نادِم اور شرمندہ ہوں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے توبہ کریں تو ہم بھی اچھے انسان، ایک سچے مومن اور اللہ کے نیک بندے بننے کے لائق ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ خطا سَرزد ہو جانا ناممکن ہو جائے گا۔ ہمارا ماحول ہی اب ایک چیلنج بن چُکا ہے، گناہ تو اب واقعی ہماری دہلیز تک پہنچ چکے ہیں، ان کا مرتکب ہو جانا بہت آسان ہو چُکا ہے۔

ہمارا معاشرہ ایسا بن چُکا ہے جو ان گناہوں سے آگاہ نہیں ہے۔ پس پھر کیا ہو گا جب معاشرے کے لوگوں میں گناہ پر احساسِ جُرم ہی نہ رہے ؟اور جب گناہ کرنا ان کی روایت ورواج بن جائے؟ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾

"اور تم میں (ایک جماعت) ضرور ایسی ہونی چاہئے جو خیر کی طرف بُلائے، نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے روکے اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں" (آل عمران: 104)

پس ایک قوم ضرور ایسی ہونی چاہئے جو اَمر بالمعروف و نہی عنِ المنکر کرتی رہے یعنی نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے روکتی رہے۔ لہٰذا جب نفوس الامّارہ، یعنی بُرائی پر مصر نفوس، حاوی ہونے لگیں، تو پھر نفوس اللوامہ، یعنی پشیمان ہونے والے نفوس، آگے بڑھیں جو خَیر کو جگائیں اور نیکیوں سے جوڑ دیں۔ لیکن افسوس، آج ایسا نہیں ہے۔ ہم ایک سیکولر، سرمایہ دارانہ پیسوں کی مشین کے نظام کے تحت زندگی گزار رہے ہیں جو ہمیں محض اعداد یا اشیائے تجارت کے طور پر دیکھتا ہے۔ ہم نوعِ انسانی کے اعتبار سے نہیں دیکھے جاتے جس کی جبلتیں اور حاجات ہوتی ہیں۔ ہمیں "تفریحِ طبع" اور ہَوس کا ایک ماحول مہیا کیا جاتا ہے تاکہ خود غرض، لالچی اور سرمایہ دار اشرافیہ اس سے اپنے لئے مزید پیسہ کمانے کے لئے ہر طرح سے استعمال کرے اور انسانوں سے مزید مال بٹورتی رہے۔ اس کے برعکس اسلام ہمیں اشیاء کے طور پر نہیں دیکھتا بلکہ ایسی روحوں کے طور پر دیکھتا ہے جنہیں روزِ قیامت اپنے رَب، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا سامنا کرنا ہے۔

اسلام ہمیں ایک ایسا پاکیزہ ماحول اور معاشرہ فراہم کرتا ہے جو ہماری طبع کے خلاف نہیں بلکہ وہ ہماری مدد کرتا ہے ۔ وہ ماحول ہماری جبلتوں کی دیکھ بھال کرتا ہے اور ہماری ضرورتوں کو پُورا کرتا ہے۔ اسلام کا نظامِ حکمرانی، نظامِ خلافت، ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیتا ہے جو صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اُسی کی رضا و خوشنودی کو پسند کرتا ہے، یہ معاشرہ احساسِ ندامت کو اپنے لئے ایک ایسے زاویہ کے طور پر استعمال کرتا ہے تاکہ ہمارے اعمال درست سمت میں رہیں اور ہم اپنے نفس کے آگے لاچار و بے بس نہ ہو جائیں بلکہ اگر ایسے منفی خیالات آ بھی جائیں تو ہم انہیں اپنے آپ کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جانب رجوع کرنے کے لئے استعمال کریں اور بخشش طلب کرتے رہیں اور دوبارہ اپنے آپ کو اپنے رب کے عاجز بندوں میں شُمار کرنے کی کوشش کریں۔